رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

تعظیم و توقیر

اور

امت مسلمہ کی ذمہ داریاں

مؤلف
علامہ محمد صدیق نقشبندی مجددی
ناظم اعلیٰ
جامعہ صدیقیہ مجددیہ
سانگلہ ہل

تحقیق و تسوید و تخریج
ڈاکٹر محفوظ احمد
ایسوسی ایٹ پروفیسر اسلامیات
جی، سی یونیورسٹی، فیصل آباد

حجاز پبلی کیشنز لاہور
Cell:0300-4270964

کتاب ———— تعظیم وتوقیر

مؤلف ———— علامہ محمد صدیق نقشبندی مجددی

اشاعت ———— طبع اول 2009ء

ناشر حجاز پبلی کیشنز داتا دربار مارکیٹ لاہور

باہتمام محمد اسلم شہزاد

ڈائریکٹر حجاز پبلی کیشنز

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر
اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں

الحمد لله الذی انعم علینا وھدانا الی الاسلام وجعلنا من امة محمد صلی الله علیه وسلم والصلوة والسلام علی رسوله الکریم وعلی اله و اصحابه و ازواجه اجمعین، اما بعد فاعوذ بالله من الشیطن الرجیمo بسم الله الرحمن الرحیمo انا ارسلنک شاهدا و مبشرا و نذیرا لتومنوا بالله و رسوله و تعزروه و توقروه و تسبحوه بکرة و اصیلا o (سورۃ الفتح ۴۸:۸)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے بیشک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد اور تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری اور آپ کی تین صفات کے علاوہ امت مسلمہ کی پانچ ذمہ داریوں کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے دو اللہ تعالیٰ اور تین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہیں۔ آیت میں مذکور مضامین یہ ہیں ۔

اول: رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ کی صفات

دوم: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان

سوم: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر

چہارم: رب العالمین کی عبادت

ذرا سا غور کرنے سے معلوم ہو رہا ہے کہ آیت میں نمایاں مضمون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور ادب واحترام کا دکھائی دیتا ہے اس لیے کہ اس مضمون کا بیان دو مضامین کے بعد کیا گیا اور یہ دونوں امور تعظیم اور تکریم رسول اللہ کے لیے بڑی اہمیت کے حامل ہیں اس لیے اس وقت زیادہ تر اسی پہلو کو بیان کیا جائے گا۔ اگرچہ ایمان اور عبادت بھی نہایت اہم پہلو

ہیں لیکن ان کا فائدہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام اور تعظیم وتوقیر پر موقوف ہے اس لیے ان کو دوسرے وقت کے ساتھ متعلق کر دیا ہے۔ ایمان اور عبادت کا درجہ بیشک عظیم درجہ ہے لیکن محبوب رب العالمین کی گستاخی اور بے ادبی (معاذاللہ) ایمان اور عبادت کو سینے میں کب رہنے دیتی ہے۔ اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو انسان ایمان سے محروم نہیں ہوتا لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی اور گستاخی سے مسلمان بے ایمان اور کافر ہو جاتا ہے اور تمام نیکیاں برباد وضائع ہو جاتی ہیں۔ بیشک گناہوں اور نافرمانیوں سے اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو جاتے ہیں لیکن تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ وہ ہے جس سے اللہ رب العزت اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی اور گستاخی لازم آئے۔ عزازیل کو شیطان کا نام دیا گیا اس لیے کہ وہ پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کی گستاخی اور بے ادبی پر اتراتا رہا۔ شیطان کے گلے میں لعنت اور ذلت کا طوق جو ہمیشہ کے لیے ڈالا گیا اس کی وجہ صرف سجدہ سے اعراض ہی نہیں تھی بلکہ "انا خیر منہ" تھی چنانچہ جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کی عزت وعظمت کے آگے سر نہ جھکایا تو اللہ تعالی نے اس سے پوچھا "قال ما منعک الا تسجد اذ امرتک قال أنا خير منه خلقتنی من نار و خلقته من طين" جب میں نے تجھے (سجدہ کرنے) کو کہا تھا تو سجدہ سے تجھے کس چیز نے منع کیا، شیطان نے کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے بنایا اور آدم کو مٹی سے بنایا "قال فاهبط منها فما يكون لك ان تتكبر فيها فاخرج انك من الصغرين (سورۃ الاعراف ۷:۱۳)" اللہ تعالی نے فرمایا تو یہاں سے اتر جا تجھے نہیں پہنچتا کہ تو یہاں رہ کر تکبر کرے، نکل جا تو ذلت والوں میں سے ہے۔

سب سے پہلا گستاخ جس نے اللہ تعالی کے رسول کی گستاخی میں قدم بڑھایا وہ ابلیس لعین ہے بعد ازیں قیامت تک جس شخص نے بھی شان رسالت یا عظمت نبوت کے خلاف کسی قسم کی گستاخی اور بے ادبی کی وہ زمرہ شیطان سے متصور ہوگا اور ایسا مسلمان مرتد سمجھا جائے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم واجب اور فرض ہے ذرا بھی اگر کوئی توہین آمیز الفاظ زبان پر لائے گا توفیض رسالت سے ابدالآباد تک محروم رہے گا۔ آیت میں انداز خداوندی قابل توجہ ہے

"تعزروہ و توقروہ" یعنی تعظیم وتوقیر کا حکم بعد میں دیا جا رہا ہے اور آپ کے تین صفات کا ذکر پہلے کیا گیا ہے گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ اے میرے محبوب کے ماننے والو! میرے محبوب کی تعظیم وتکریم بجالاؤ میں نے اپنے محبوب کو محض نبی بنا کر نہیں بھیجا بلکہ وہ تمہارے لیے شاہد و مبشر اور نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ شاہد میں ایک قسم کی تنبیہ ہے کہ اے میرے امتیو! میں تمہارا شاہد ہوں یعنی گواہ ہوں میں تمہارے سب اعمال کی گواہی دوں گا۔ وفاء الوفا میں علامہ سمہودی فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی پوری امت کے اعمال جانتا ہوں اچھے اور برے مجھ پر کوئی عمل اور کسی کا عمل پوشیدہ نہیں کیونکہ صبح وشام تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، اگر تم نے اچھے عمل کیے تو میں خوش ہوتا ہوں اور اگر تمہارے عمل اچھے نہ ہوں تو میں بخشش کی دعا کرتا ہوں۔ دوسری صفت آپ کی مبشر بیان کی گئی، بشارت کا لفظ ب، ش، ر سے ہے جس کے معنی ظہور ہے۔ میر سید شریف جرجانی کے بقول ہر کوئی سچی خبر جس کی وجہ سے چہرے کی جلد تبدیل ہو جاتی ہے، اس کا استعمال خیر میں بھی ہو سکتا ہے اور شر میں بھی لیکن خیر میں زیادہ ہوتا ہے۔ بہر حال عمومی استعمال میں بشارت کا لفظ اچھی خبر کے لیے ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ کی اس وصف کا ذکر قرآن مجید میں بھی کیا گیا لیکن سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنے اس وصف کا ذکر فرمایا۔

جامع الترمذی کے ابواب المناقب، حدیث نمبر ۳۶۱۰ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انا مبشرهم اذا آیسوا" جب لوگ نا امید ہو جائیں گے تو میں انہیں بشارت دوں گا۔

کتب احادیث میں اس عنوان میں کثیر روایات موجود ہیں لیکن یہاں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مشکوۃ شریف میں روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنھم کو جنت کی بشارت دی گئی۔

آپ نے بعض اعمال کی جزاء کا ذکر بھی بشارت کی صورت میں فرمایا جیسے اندھیرے میں مسجد کی طرف جانے کی فضیلت کی بابت جامع الترمذی کی کتاب الصلوۃ حدیث نمبر ۲۲۳ میں ہے

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اندھیروں میں مساجد کی طرف پیدل چلنے والوں کو قیامت کے دن کی مکمل روشنی کی بشارت دے دو۔

مستقبل کے احوال کے بارے بھی آپ نے متعدد بشارتیں دیں، صحیح بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوۃ حدیث نمبر ۳۵۹۵ میں ہے حضرت عدی بن حاتم سے (مختصراً) روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کے پاس ایک شخص نے ڈاکہ زنی کی شکایت کی، اس کے بعد آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے عدی اگر تمھاری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک اونٹ سوار عورت حیرہ (کوفہ کے قریب ایک قدیم شہر) سے سفر شروع کر کے کعبۃ اللہ کا طواف کرے گی اور اسے اس سفر کے دوران اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ دیکھیں گے کہ ایک آدمی اپنی ہتھیلی بھر کے سونا یا چاندی لیے نکلے گا اور تلاش کرے گا کہ اسے کوئی ایسا آدمی مل جائے جو یہ سونا یا چاندی قبول کرلے مگر اسے کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا یعنی لوگ اس حد تک مال دار ہو جائیں گے۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے وہ وقت دیکھ لیا کہ اونٹ پر سوار عورت حیرہ سے چل کر کعبہ کا طواف کرتی ہے اور اتنا امن ہوتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوتا اور میں ان لوگوں میں شامل ہوں جنہوں نے کسریٰ کے خزانوں کو کھولا (آپ نے اپنے پاس موجود لوگوں سے فرمایا) اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی کہ تم دیکھ لو گے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ آدمی ہتھیلی بھر سونا دینا چاہے گا اور اسے کوئی قبول کرنے والا نہیں ملے گا۔

ان کے علاوہ آپ نے اچھے اعمال کی جزاء میں گناہوں کی مغفرت، درجات کی بلندی اور جنت کی بشارتیں بھی دیں۔

آپ کا تیسرا وصف نذیر بتایا گیا جس سے مراد یہ ہے اگر تم نے برے عمل کیے تو تمہیں جہنم کی آگ سے میں ڈرانے والا ہوں یہ ڈرانا محض ڈرانا نہیں بلکہ اس ڈرانے میں انسانیت کا فائدہ ہے اور اس کی مثال یوں ہے جیسے ماں اپنے بچے کو کسی تکلیف دہ کام سے اس کے برے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے اسے ڈراتی ہے یا جیسے دریا کے کنارے رہنے والے لوگوں کو آمدہ

سیلاب سے باخبر کرنا، انہیں وہیں رہنے سے ڈرانا اور انہیں وہاں سے کسی اور مقام پر منتقل ہو جانے کو کہنا۔

تعزروہ میں تعزروکا لفظ تعزیر سے ہے جس کے معنی ہیں ادب و احترام کے ساتھ مدد کرنا یعنی تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور نصرت کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم کو ملحوظ نظر رکھو، اگر تعظیم و تکریم کو ملحوظ نہ رکھا گیا تو یہ سوء ادب ہوگا مزید تاکید کے لیے ''توقروہ'' فرمایا گیا تم ادب کرو اور تعظیم کرو۔ یہ لفظ توقیر سے ہے جس کا معنی ہے کسی کی تعظیم و احترام کرنا۔

آیت کریمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجنے کی تین وجوہ بیان کی ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کرنا

(۳) اللہ تعالیٰ کی عبادت

ان تین باتوں کی ترتیب بھی توجہ کے لائق ہے اول ایمان کا ذکر اور آخر میں عبادت خداوندی کا بیان ہے اور درمیان میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کے متعلق ارشاد فرمایا اس لیے کہ ہر نیک کام کی قبولیت کے لیے ایمان شرط ہے کیونکہ ایمان اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

ایمان کی اہمیت کے بارے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا ایک مکتوب جو آپ نے قلیج اللہ بن قلیج خان کو تحریر فرمایا قابل غور ہے۔ دفتر دوم مکتوب نمبر ۷۳ میں آپ نے دنیا اور اہل دنیا کی مذمت اور بے فائدہ علوم حاصل کرنے کی برائی اور فضول مباحات سے بچنے اور خیرات و اعمال صالحہ کے خاص کر جوانی کے وقت بجالانے کی ترغیب دی۔

آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں کوشش نہیں کرتا تو اسے شرم کرنی چاہیے اور خواب خرگوش سے اپنے آپ کو بیدار کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالانا دو باتوں سے خالی نہیں، یا تو وہ شخص شرعی اخبار کو جھوٹ جانتا ہے اور یقین نہیں کرتا یا اسے اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان دنیاداروں کی نسبت بہت حقیر نظر آتی ہے اس امر کی برائی اچھی طرح معلوم کرنی چاہیے۔

اے فرزند جس شخص کا جھوٹ کئی دفعہ تجربہ میں آ چکا ہو اگر وہ آ کر کہہ دے کہ دشمن غلبہ پا کر فلاں قوم پر چھاپہ ماریں گے تو اس قوم کے عقلمند اپنی حفاظت کے درپہ ہو جائیں گے اور اس مصیبت کو دور کرنے کا فکر کریں گے حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ وہ مخبر جھوٹ سے متہم ہے لیکن کہتے ہیں کہ خطرہ کے آغاز کے وقت عقلمندوں کے نزدیک احتراز لازم ہے۔

مخبر صادق علیہ الصلوۃ والسلام نے بڑے مبالغہ کے ساتھ آخرت کے عذاب سے آگاہ فرمایا لیکن کچھ اثر نہیں ہوتا کیونکہ اگر اثر ہو تو اسے دفعہ کرنے کا فکر کریں پس یہ کیسا ایمان ہے کہ مخبر صادق علیہ الصلوۃ والسلام کی خبر اس جھوٹے کی خبر جتنا بھی اعتبار نہیں رکھتی، صرف ظاہری اسلام نجات نہیں بخشتا، یقین حاصل کرنا چاہیے، یقین تو کجا یہاں ظن یا گمان بھی نہیں بلکہ وہم بھی نہیں کیونکہ عقلمند خطرہ کے وقت وہم کا بھی اعتبار کرتے ہیں۔

اس مکتوب سے اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

دوسری بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیر وتوقیر ہے۔ اللہ تعالی کے نزدیک آپ کی تعزیرو نصرت اتنی اہم ہے کہ اللہ تعالی جب انبیاء کرام سے میثاق لیا تھا تو اس میں بھی آپ کی تعزیرو نصرت کا ذکر ہے جس کا بیان سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ میں ہے۔

کسی شخص کے دل میں محض آپ کی تعظیم وتکریم ہو اور آپ کی نبوت ورسالت پر یقین نہ رکھتا ہو تو ہم کیسے اعتماد کر سکتے ہیں کہ یہ شخص دل سے تعظیم وتکریم کر رہا ہے یا منافقانہ طریقے سے، کیونکہ اگر وہ واقعتاً دل سے ادب واحترام اور تعظیم کر رہا ہے تو ایمان اور تصدیق کیوں نہیں کرتا؟ تسبیح اور عبادت کی مقبولیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور ادب واحترام پر موقوف ہے ورنہ سب عبادت اور تلاوت بیکار اور بے سود ثابت ہوگی۔ اے انسان تیری عبادت اور شب بیداری کا کیا فائدہ جب تیرے دل میں عظمت اور ادب محبوب رب العالمین کا ادب نہیں ہے، اللہ تعالی کو اپنی عبادت سے زیادہ محبوب اپنے پیارے محبوب کی تعظیم وتکریم اور ادب واحترام ہے، ادنی گستاخی اور بے ادبی بلکہ بے ادبی کا تصور بھی باعث ہلاکت اور بربادی ہے۔

حضرت علی بن حسین نقل فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ

نے ان سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ دوران اعتکاف آپ کی زیارت کے لیے مسجد میں آئیں۔ یہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا موقع تھا تھوڑی دیر آپ سے بات چیت کی پھر رخصت ہونے کے لیے کھڑی ہوئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو رخصت فرمانے کے لیے ان کے ساتھ ساتھ تشریف لے چلے یہاں تک کہ جب وہ مسجد کے اس دروازے کے پاس پہنچیں جو حضرت ام سلمہ کے حجرہ کے متصل تھا تو دو انصاری مسلمانوں کا اس طرف سے گزر ہوا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے ان سے فرمایا ذرا ٹھہر نا دیکھو یہ میرے ساتھ صفیہ ہیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ سبحان اللہ آپ یہ کیا فرماتے ہیں۔ آپ کا یہ فرمان ان کے لیے بڑی ہجو کا باعث بن گیا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان انسان میں خون کی طرح گھوم جاتا ہے مجھے بھی اس کا خطرہ ہوا کہ مبادا تمہارے دل میں کوئی وسوسہ ڈالے اور اس کی وجہ سے تم خواہ مخواہ ہلاک نہ ہو جاؤ۔

دوسری روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ بات میں نے اس لیے نہیں کہی تھی کہ تم کوئی بدظنی کرو گے بلکہ بات یہ ہے کہ میں خوب جانتا ہوں کہ کبھی شیطان دل میں غیر اختیاری وسواس ڈال دیتا ہے ”فی روایۃ فتھلکا“، یعنی اگر کوئی ایسا وسوسہ آ گیا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحالت اعتکاف تھے اگر یہاں شیطان کوئی وسوسہ ڈالتا تو یہی کہ یہ کوئی اجنبی عورت نہ ہو۔ العیاذ باللہ۔ پھر اجنبی عورت سے تنہائی میں گفتگو اور بات چیت اگر معصیت تھی تو کس درجے کی معصیت؟ اس کے بعد آپ کا اس اہتمام سے اس کا بھی ازالہ فرمانا وہ بھی اس لیے کہ صحابہ سے اس بدگمانی کا کوئی اندیشہ نہ تھا جیسا کہ خود آپ نے صاف فرما دیا کہ میرا یہ کہنا اس بنا پر نہیں ہے کہ تمہارے دل میں اس قسم کی کوئی بدگمانی موجود ہے بلکہ صرف اس لیے ہے کہ بعض مرتبہ شیطان غیر اختیاری طور پر دل میں بے بات و بے سبب کوئی وسوسہ ڈال دیتا ہے صرف اس کی پیش بندی کے لیے میں نے تم کو خبردار کیا ہے۔

اب اس سے اندازہ فرمالیجیے کہ اللہ تعالی کے نبی کی شان وعصمت کیا ہوتی ہے یہ کہ اس کے خلاف ذرا سا وسوسہ بھی دل میں آ جائے اور وہ وسوسہ دل میں مضبوط ہو جائے تو ایمان کی خیریت نہیں رہتی، لیکن یہ وسوسہ اگر کسی بزرگ کے متعلق ہو تو بھی مناسب نہیں ہے کیونکہ

مومنوں کے ساتھ نیکی کا گمان کرنا چاہیے لیکن یہ کفر نہیں اور نہ اس سے ایمان رخصت ہوتا ہے اس لیے کہ یہ بزرگ معصوم نہیں، معصوم صرف انبیاء کرام کی ذات ہوتی ہے، معصوم شخصیت کے ساتھ ایسا وسوسہ درحقیقت بے ادبی کے ساتھ ساتھ عصمت کا انکار بھی لازم آتا ہے جو نصوص قطعیہ کے خلاف ہے اور پھر سید الاولین والاخرین کے متعلق شیطان لعین کا یہ وسوسہ انتہائی قبیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تو یہ بھی پسند نہیں کہ آپ کے متعلق ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس میں برائی کا شائبہ بھی پایا جائے۔ مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام ؓ کو تعلیم و تلقین فرماتے تو صحابہ کرام کبھی کبھی درمیان میں عرض کیا کرتے "راعنا" یارسول اللہ، اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ یارسول اللہ ہمارے حال کی رعایت فرمائیے یعنی کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقع دیجیے۔ یہود کی لغت میں یہ کلمہ سوء ادب کے معنی رکھتا تھا نیز انہوں نے اس کلمہ کو بری نیت سے کہنا شروع کیا، حضرت سعد بن معاذ یہود کی اصطلاح سے واقف تھے آپ نے ایک روز یہ کلمہ ان کی زبان سے سن کر فرمایا اے دشمنان خدا! تم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر میں نے اب کسی کی زبان سے سنا تو اس کی گردن ماردوں گا۔ یہود نے کہا کہ ہم پر تو آپ برہم ہوتے ہیں مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں۔ اگرچہ مسلمان ان یہودیوں کی طرح بری نیت سے یہ لفظ نہیں کہتے تھے بلکہ اپنی ضرورت کے پیش نظر کہتے لیکن پھر بھی آپ اس پر رنجیدہ ہوکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

"یا ایھاالذین آمنوا لا تقولو ا راعنا وقولو ا انظرنا واسمعوا و للکافرین عذاب الیم "(سورۃ البقرۃ ۲:۱۰۴)

اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یہاں کافروں سے مراد وہی بے ادب یہود ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی اور تنقیص کے الفاظ استعمال کیا کرتے تھے۔ اس آیت میں ایک تنبیہ یہ ہے کہ خوب سن لو جس نے بھی آپ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کا کوئی کلمہ استعمال کیا وہ کافروں کے زمرہ میں داخل ہوکر دردناک عذاب کا مستحق ہوگا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے زیادہ جس ادب و احترام کا سبق دیا گیا ہے وہ سورۃ حجرات کی اس آیت میں ہے جس کا شان نزول یہ ہے کہ چند صحابہ نے عید الاضحیٰ کے دن سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کرلی، اللہ تعالیٰ کو یہ فعل یعنی قربانی کا پہلے کرلینا ناگوار گزرا تو فوراً جبرائیل علیہ السلام آیت لے کر نازل ہوئے، عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

"یا ایھاالذین آمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم "(سورۃ الحجرات ۴۹:۱)

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ تفاسیر میں لکھا ہے کہ جنہوں نے قربانی کی تھی انہیں دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا گیا۔ (خزائن العرفان)

کمال درجہ کے ادب کی بات ہے کہ قربانی فی نفسہ قربانی ہی تھی جانور اللہ تعالیٰ کے نام سے اور قربانی کی نیت سے ذبح کیا گیا، کمی صرف اس وجہ سے آئی کہ وہ قربانی سید الاولین والاخرین سے مقدم کرلی گئی، گو صحابہ کرام ؓ کی نیت میں سوء ادب نہیں تھا لیکن پھر بھی صورۃً دوسروں کو اس تقدیم میں سوء ادب نظر آرہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی منع فرمادیا کہ بارگاہ رسالت میں کسی بھی طرح کا تقدم درست نہیں ہے۔ میرے محبوب کے نہ آگے چلو اور نہ برابر چلو اور نہ ہی پیچھے بیٹھ رہو بلکہ قدم قدم پیچھے چلتے آؤ۔ اس بات کا ذکر قرآن مجید میں ایک اور مقام پر اس طرح کیا گیا۔

"قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنو بکم فان اللہ لا یحب الکا فرین " (سورۃ آل عمران ۳:۳۱)

فرمادیجیے اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہوجاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تبع کے معنی قدم بقدم پیچھے چلنے کے ہیں درجہ اتباعیت اسی اتباع پر موقوف ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی آپ کے پاس بیٹھے تھے کچھ اصحاب کی آواز طبعی طور پر بلند ہوگئی

اور بعض لوگ بوجہ بہرہ پن کے اپنی آواز کو اونچا کرتے اللہ تعالی نے انہیں اس سے روک دیا اور حکم نازل فرمایا۔

"یاایھاالذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی و لا تجھروا له بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون "(سورۃ الحجرات:۴۹:۲)

اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز پر بلند نہ کرو اور ان سے ایسے کھل کر نہ بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ثابت بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان کے کانوں میں بہرہ پن تھا اور ان کی آواز بلند تھی جب وہ کلام کرتے تو چلا کر کرتے اور اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا کرتے تھے۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ثابت بن قیس اپنے گھر میں بیٹھے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا بند کر دیا اور کہنے لگے کہ میں اہل نار سے ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ سے دریافت کیا کہ ثابت بن قیس کا کیا حال ہے کیا وہ بیمار ہو گئے ہیں؟ حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ میرے ہمسائے ہیں مجھے ان کی بیماری کا علم نہیں ہے۔ حضرت سعد حضرت ثابت بن قیس کے پاس آئے اور انہیں کہا کہ آج تمہارے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے تھے پس حضرت ثابت بن قیس نے ان سے کہا کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے اور تم جانتے ہو کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں پس میں اہل جہنم سے ہوں۔ پس حضرت سعد نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ان کا یہ تمام قصہ بیان کیا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بل ھو من اھل الجنة" وہ اہل نار سے نہیں بلکہ وہ اہل جنت سے ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ابن جریر کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس راستہ میں بیٹھ کر رونے لگے حضرت عاصم

بن عدی ادھر سے گزرے اور رونے کا سبب بیان کیا تو حضرت ثابت بن قیس نے کہا یہ آیت نازل ہو گئی ہے اور مجھے خوف ہے کہ کہیں میرے ہی متعلق نازل ہوئی ہو کیونکہ میری آواز اونچی ہے مجھے اپنے اعمال برباد ہو جانے کا خوف اور دوزخی ہو جانے کا ڈر ہے حضرت عاصم نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر یہ بات عرض کر دی ادھر حضرت ثابت پر گریہ کا ایسا غلبہ ہوا کہ انہوں نے گھر جا کر اپنی بیوی جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی بن سلول سے کہا جب میں اپنے گھوڑے کے باندھنے کی جگہ پر جاؤں تو تم اس کی کنڈی لگا دینا، بیوی نے ایسا ہی کیا حضرت ثابت نے کہا کہ میں اب باہر نہیں نکلوں گا یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی ہو جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصم کو حکم دیا کہ ثابت کو بلا لاؤ حسب ارشاد حضرت عاصم اسی جگہ گئے جہاں ثابت کو دیکھا تھا جب وہاں نہ ملے تو ان کے گھر جا کر دیکھا کہ ثابت گھوڑے کی کوٹھڑی میں بند ہیں، حضرت عاصم نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو طلب فرما رہے ہیں، ثابت نے کہا اس اصطبل کی کنڈی کھولو جب انہوں نے کنڈی کھولی تو دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے پس حضور نے ان سے سبب رونے کا دریافت فرمایا عرض کیا حضور! میں نہایت بلند آواز ہوں خوف کرتا ہوں کہ یہ آیت میرے ہی متعلق نازل ہوئی ہے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اما ترضی ان تعیش حمیدا و تقتل شھیدا و تدخل الجنة" کہ زندگی گزارے تو حمید اور مرے تو شہید اور تم جنت میں داخل ہو، پس اس نے کہا میں اللہ اور اس کے رسول کی خوشخبری سے راضی ہوں میں کبھی بھی اپنی آواز رسول اللہ کی آواز سے بلند نہیں کروں گا۔ پس اللہ کو ان کا یہ فعل اور اپنے حبیب مکرم کا یہ ادب پسند آیا اور ان کی تعریف میں یہ آیت نازل فرمائی "ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول الله اولئک الذین امتحن الله قلوبھم للتقوی لھم مغفرة و اجر عظیم "(سورۃ الحجرات ۴۹:۳) بیشک وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالی نے تقوی کے لیے خالص کر دیا ہے ان لوگوں کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

بارگاہ خداوندی میں ادب و احترام اور مقام محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ بندہ صد عجز و نیاز افضل ترین

عبادتِ نماز میں بحالت قیام یا رکوع میں ہو یا نماز کے اعلیٰ ترین رکن جو سب سے اقربیت الٰہی کا ذریعہ ہے اس میں سربسجود ہو کر زبان سے "سبحان ربی الاعلیٰ" کہہ رہا ہو اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کان میں پہنچ جائے کہ ادھر آؤ تو حکم خداوندی ہے سب کچھ چھوڑ کر میرے محبوب کی بارگاہ میں پہنچ جاؤ۔ میری نماز اور میرے سجدہ اور رکوع کو چھوڑ کر میرے محبوب کی سنو کیا فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "یاایھاالذین آمنوا استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم"

(الانفال ۸:۲۴) اے ایمان والو تم اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کو بجالایا کرو جب رسول تمہیں بلائیں اس چیز کی طرف جو تمہیں زندگی بخشے گی۔

حضرت ابی بن کعب نماز پڑھ رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی طرف گزر ہوا آپ نے ان کو آواز دی حضرت ابی بن کعب جلدی جلدی نماز پوری کر کے حاضر خدمت ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں نے تم کو پکارا تھا تو تم نے فوراً اجابت کیوں نہیں کی یعنی میری دعوت پر فوراً حاضر کیوں نہیں ہوئے حضرت ابی بن کعب نے عرض کیا کہ میں نماز میں تھا حضور نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

"یاایھاالذین آمنوا استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم"

حضرت ابی بن کعب نے عرض کیا یارسول اللہ بے شک آپ کی پکار ضروری تھی آئندہ جب کبھی آپ پکاریں گے میں ضرور جواب دوں گا خواہ میں نماز میں کیوں نہ ہوں۔

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مجددی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تائید کررہی ہے کہ جس کام کی دعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اس کی تعمیل لازمی اور ضروری ہے نیز آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اگر کسی کو پکاریں تو جواب دینے سے نماز نہیں ٹوٹتی لہٰذا اگر تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا ہے تو اس کی تعمیل کے لیے نماز کا توڑ دینا لازمی اور ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جو جلد اول باب الامامت میں مذکور ہے۔ حضرت انس بن مالک نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیماری میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا

لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے یہاں تک کہ جب دوشنبہ یعنی سوموار کا دن ہوا اور لوگ نماز میں صف بستہ تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھایا اور ہم لوگوں کی طرف دیکھنے لگے اس وقت آپ کا چہرہ مبارک گویا مصحف کا صفحہ تھا پھر مسکرائے۔ ہم لوگوں نے خوشی کی وجہ سے چاہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے میں مشغول ہو جائیں اور ابوبکر نے اپنے پچھلے پیروں پیچھے ہٹ آئے تا کہ صف میں شامل ہو جائیں، وہ سمجھے کہ حضور نماز کے لیے آنے والے ہیں پس آپ نے ہماری طرف اشارہ فرمایا اپنی نماز پوری کرلو اور آپ نے پردہ ڈال لیا، اسی دن آپ کا وصال مبارک ہوا۔

یہ حدیث اس امر کی واضح دلیل ہے کہ نماز میں قبلہ شریف کی طرف منہ ہٹا کر رخ انور کی طرف کرنا اور آپ کے حسن و جمال کی مسکراہٹ سے محظوظ رہنے کی تمنا کرنے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ حدیث میں صحابہ کرام کا یہ جملہ کہ حضور مسکراتے ہوئے صحابہ کرام کو دیکھتے تھے اور صحابہ کرام حضور کو دیکھنے میں مشغول تھے اور یہ چاہتے تھے کہ ہم آپ کو دیکھتے ہی رہیں۔ سبحان اللہ کیا پرنور بہار تھی کہ آقائے دوجہاں اپنے صحابہ کو دیکھ رہے ہیں اور صحابہ عظام سید الکونین کی زیارت سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ اگر سرور کائنات محبوب رب العالمین اشارہ فرماتے ہوئے "اتموا صلاتکم" یعنی اپنی اپنی نماز کو پورا کرو کا حکم نہ فرماتے تو صحابہ کرام کا رخ انور سے کبھی بھی اپنے چہروں کو نہ ہٹاتے اگرچہ نماز قضا ہو جاتی۔ صحابہ کرام اس مسئلہ کو بخوبی سمجھتے تھے کہ نماز کی قضا تو ہو سکتی ہے لیکن اس آخر الزمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پرانور کے رخ انور جو تجلیات الٰہی کے مرکز اور حسن ذاتی کے مظہر اتم ہیں اس کی قضا ممکن کیسے ہوگی۔ کیا کوئی یہ گمان کرسکتا ہے کہ صحابہ کرام کی نمازیں خشوع و خضوع سے خالی ہو گئیں تھیں؟

حدیث جبریل میں فرمائے گئے عبادت کے اس ادب کے مطابق "ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک" عبادت اس طرح کی جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں اور اگر آپ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ رہے تو وہ آپ کو دیکھ رہا ہے ان تمام شبہات کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ "اتموا صلاتکم" کافی ہے، کیونکہ اگر حضور پرنور شافع یوم النشور کی جانب توجہ یا نگاہ یا کلام یا سماعت کلام یا زیارت کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی تو حضور

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے ''اتموا صلاتکم ''یعنی تم اپنی نماز کو پورا کرو بلکہ یوں فرماتے اپنی اپنی نماز نئے سرے سے مکمل کرلو۔ جب یہ نہیں فرمایا تو واضح ہوگیا کہ آپ سے کلام اور گفتگو کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی ہاں اگر صحابہ کرامؓ اس فعل کو شرک اور موجب نقض صلوۃ سمجھتے تو کبھی ایسا نہ کرتے اگر کرتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمادیتے۔

انتہائی حیرت اور افسوس اس انسان پر ہوتا ہے۔ جس نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنی کتاب صراط مستقیم میں یہ غیر مستقیم عبارت لکھنے کی جسارت کی ہے کہ نماز میں زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں اپنی ہمت (خیال) لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے برا ہے۔

اس حوالہ کے پیش نظر ان لوگوں سے پوچھئے کہ آیا صحابہ کرام کی نماز ہوگئی تھی اگر جواب مثبت ہے تو پھر اس گستاخانہ عبارت کو کتاب میں کیوں لکھا گیا یا اس عبارت کو کتاب سے کیوں نہ نکال دیا گیا اگر جواب نفی میں ہے معاذ اللہ، تو ایسا عقیدہ رکھتے ہوئے کیا ہمارا ایمان ہمارے قلب میں باقی رہے گا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال نماز میں لانا یا نہ لانا یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے لیکن یہاں جو بات پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ بیل اور گدھے کے خیال سے آپ کے خیال اور تصور کو برا کہا گیا ہے۔(معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

کیا یہ عبارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کے خلاف ہے؟ یقیناً خلاف ہے تو پھر توبہ کا اعلان ضرور کرنا چاہیے تاکہ اہل اسلام میں اتفاق واتحاد کی خوشگوار فضا قائم ہوجائے۔

میں حتمی طور پر کہتا ہوں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال اور تصور نماز میں بیل اور گدھے کے خیال اور تصور سے برا ہوتا (معاذ اللہ) یا حضور کی تعظیم وتوقیر کے خلاف ہوتا تو نماز کے دوران التحیات میں ''السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ '' کا حکم نہ ہوتا یعنی اے نبی آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔''السلام علیک ایھا النبی '' یہ حضور کو خطاب ہے نماز میں اللہ کے سوا دوسرے کسی کو خطاب کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے لیکن یہاں ''ایھا النبی '' کہنے سے نماز کیوں نہیں ٹوٹتی بلکہ یہاں نہ کہنے والے کی

نماز مکمل نہیں ہوتی۔ کیونکہ نماز میں ''التحیات '' پڑھنا واجب ہے اور واجب کے ترک سے سجدہ سہو لازم آتا ہے۔

کتاب صراط مستقیم کی عبارت کے جواب میں اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی ''السلام علیک ایھا النبی '' کے بارے میں لکھتے ہیں؛

'' ذوات مصلیاں موجود است'' یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں میں موجود ہیں لہذا '' السلام علیک ایھا النبی '' جب کہو تو آپ کو حاضر سمجھ کر کہو۔(مسک الختام، جلد اول، ص ۲۶۰)

یہ ہے عقیدت اور محبت کی بات وہ انسان بڑا صاحب نصیب ہے جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور حقیقی عقیدت اور محبت موجود ہے۔ دراصل وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس وعبادات اور معاملات کو اپنی ذات وعبادات اور معاملات پر قیاس کرتے ہیں وہ اس قسم کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں جن سے حضور کی تعظیم وتوقیر اور ادب و احترام مجروح ہوتا ہے۔ نبی اکرم نور مجسم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پر قیاس کرنا ہی آپ کے ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کے خلاف ہے۔ یہ جو قرآن وحدیث میں آپ کی محبت کا ذکر ہے۔ جس کو امت پر لازم کردیا گیا ہے اس کے بہت سے فوائد ہیں:

اول: یہ کہ احکام شریعت پر عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے کیوں کہ محبت مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام سے عمل کرنے کا ایک ایسا ذوق پیدا ہوجاتا ہے جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع آسان تر ہوجاتی ہے یہاں تک کہ انسان اپنے محبوب (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کا پورا پورا مطیع وفرمانبردار ہوجاتا ہے۔

دوم: یہ کہ محب اپنے محبوب کا گستاخ نہیں ہوتا کیوں کہ محبت اسے روکتی ہے جیسے مسند احمد کی جلد ۵ اور صفحہ نمبر ۱۹۴ میں یہ حدیث مروی ہے '' حبک الشئی یعمی و یصم'' حضور نے ارشاد فرمایا کہ انسان کو جب کسی سے محبت ہوجاتی ہے تو وہ محبت محبوب کا عیب دیکھنے سے اندھا اور (محبوب کا عیب سننے سے) بہرا کردیتی ہے۔ اسی بنا پر محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو امت پر فرض کردیا گیا ہے اور اس کے بغیر انسان مومن نہیں کہلواتا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

محبت عین ایمان ہے اور یہی آپ کی تعظیم وتوقیر اور ادب واحترام کی اصل ہے۔ اگر محبت نہیں تو تعظیم وتوقیر اور ادب واحترام کرنا مشکل ہوگا۔ اگر کوئی شخص آپ کا ادب واحترام اور تعظیم وتوقیر بجانہ لائے تو وہ شخص یقیناً بے ادب اور گستاخ متصور ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور ادب واحترام ہی ہماری زندگی کا اصل سرمایہ ہے۔ اگر ہم اس سے خالی ہیں تو جان لیجیے کہ ہم بے دولت اور بے نصیب ہیں۔

انبیاء کرام کی توہین وتنقیص اور توقیر وتعظیم کے بارے میں ہمارے لوگ غور وفکر سے کام نہیں لیتے آپ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ انبیاء کرام علیھم السلام کی سب سے بڑی تعظیم وتکریم ان کی نبوت ورسالت پر ایمان لانا ہے اور ان کی توہین وتنقیص اور بے ادبی ان کی نبوت و رسالت پر ایمان نہ لانا ہے۔ اول درجہ گستاخی کا یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالی کے نبی اور رسول کی رسالت کا منکر ہو۔ اگر نبی کی نبوت ورسالت پر ایمان نہ لانا عظیم گستاخی نہ ہوتی تو سابقہ انبیاء کرام علیھم السلام کے منکرین کو اس جرم میں ہلاک اور نیست ونابود نہ کیا جاتا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ کی نبوت ورسالت کا انکار کر دیا تھا چنانچہ قوم کے سرداروں نے کہا'' انا لنرک فی ضلٰل مبین ''(سورۃ الاعراف ۷:۶۰) بے شک ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ حضرت نوح نے فرمایا اے میری قوم مجھ میں گمراہی کچھ نہیں'' ولکنی رسول من رب العالمین ''ہاں میں تو رب العالمین کا رسول ہوں میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچانے آیا ہوں۔ قوم نے حضرت نوح کی تکذیب کی تو اللہ تعالی نے پانی کے عذاب سے سب کو غرق کر دیا صرف وہی لوگ بچے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا'' یٰقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ أفلا تتقون ''۔ اے میری قوم اللہ تعالی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تمہیں ڈر نہیں اس قوم کے سردار جو منکر نبوت تھے بولے'' انا لنرک فی سفاھۃ و انا لنظنک من الکاذبین ''بے شک ہم تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں اور بے شک تمہیں جھوٹوں میں شمار کرتے ہیں حضرت ھود علیہ السلام نے جواباً فرمایا'' یٰقوم لیس بی سفاھۃ و لکنی رسول من رب العالمین ''(سورۃ الاعراف ۷:۶۶) اے میری قوم میں

بیوقوف نہیں ہوں میں تو رب العالمین کا رسول ہوں۔ تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچانے آیا ہوں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت ہود علیہ السلام کی تمام قوم پر سخت عذاب طوفان کی شکل میں آیا جس سے تمام قوم ہلاک اور برباد ہوکر رہ گئی زندہ وہی رہے جو آپ پر ایمان لائے تھے۔

یونہی تو حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قومیں تھیں جب انہوں نے اپنے اپنے انبیاء کی نبوت کا انکار کیا تو اللہ تعالی نے انہیں اپنے عذاب سے ہلاک اور برباد کر دیا صرف وہی لوگ محفوظ رہے جو ان پر ایمان لائے تھے۔

درجہ دوم یہ ہے کہ قوم اپنے رسول اور نبی کی نبوت ورسالت پر ایمان لے آئے لیکن رسول اور نبی کے حکم کی اطاعت نہ کرے۔ ایسی قومیں بھی بکثرت موجود تھیں جنہوں نے انبیاء کرام کی نبوت و رسالت کو قبول کر لیا اور ان پر ایمان لے آئیں لیکن ان کے حکم کی اطاعت نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خداوند تعالی نے ان پر عذاب نازل فرما دیا جیسے موسی علیہ السلام کی قوم حضرت موسی علیہ السلام پر ایمان لے آئی ایمان لے آنے کے باوجود بھی کئی مقام پر انہوں نے آپ کے حکم کی اطاعت نہ کی بلکہ کھل کر نافرمانی کرنے لگے جس کی پاداش میں عذاب الٰہی نازل ہوتا رہا۔

حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کی قوم مصر میں رہتی تھی حضرت موسی علیہ السلام کو حکم ملا کہ ان اسرائیلیوں کو ملک شام میں لے جائیں وہاں بیت المقدس میں قوم عمالقہ کا قبضہ ہے ان کو وہاں سے نکالنا ہے۔ حضرت موسی علیہ السلام کے حکم سے نکلے، چلتے چلتے راستے میں ایک بڑا میدان آیا اسرائیلی وہاں ٹھہر گئے۔ ان کا یہ ٹھہرنا حضرت موسی علیہ السلام کی رضا کے خلاف تھا یہ قوم عمالقہ سے جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے کیوں کہ وہ بڑی طاقتور اور جنگجو قوم تھی، اس میدان میں یہ چالیس سال رہے جس کا نام میدان تیہ تھا وہاں ان کے لیے من وسلوی اترتا رہا اور یہ کھاتے رہے انہوں نے من وسلوی جمع کرنا شروع کر دیا حالانکہ انہیں حکم یہ تھا کہ وہ من وسلوی جمع نہ کریں۔ تہدیداً من وسلوی کو بند کر دیا گیا۔ المختصر یہ کہ ان کو میدان تیہ سے نکلنے کا حکم ہوا اب بیت المقدس جانے کا حکم تھا یہ حسب حکم روانہ ہوئے، یہاں ان پر دو حکم لازم تھے ایک یہ کہ جب شہر کے دروازے میں داخل ہوں تو نہایت عاجزی سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں۔ دوسرا حکم یہ تھا کہ داخلے کے وقت زبان سے ''حطۃ'' استغفر اللہ کہتے ہوئے جاؤ لیکن

اسرائیلیوں نے دونوں احکام کی سخت مخالفت کی جس کے نتیجے میں ان پر آسمانی عذاب طاعون نازل کیا گیا جس سے یہ ستر ہزار اسرائیلی ہلاک اور برباد ہو کر رہ گئے۔

ہم آخری پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے امتی ہیں۔ آپ خاتم الانبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں آپ کی ذات پاک پر نبوت اختتام پذیر ہو چکی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور ادب واحترام امت کے ہر فرد پر فرض ہے۔ بے شک دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں بشرطیکہ وہ صحیح مسلمان ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین بے ادبی اور گستاخی کا مرتکب ہو۔ ہاں اگر ایمان اور محبت مصطفیٰ میں کمی واقع ہو چکی ہے تو پھر انسان بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بے ادبیاں اور گستاخیاں کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے گستاخیوں کا شعور بھی نہیں رہتا کیوں کہ انسان خواہشات نفسیانیہ کا اس قدر تابع ہو جاتا ہے کہ اسے دین اسلام کی اتباع اور فرمانبرداری بے فائدہ دکھائی دیتی ہے۔

بندہ ناچیز ان گستاخیوں اور بے ادبیوں کی نشاندھی کرنا چاہتا ہے۔ جن کی طرف ہمارے عوام اور پڑھے لکھے دانشوروں کی توجہ نہیں حالانکہ ہم سے وہ عظیم گستاخیاں اور شدید بے ادبیاں ہو رہی ہیں بلکہ میں تو صاف کہوں گا کہ یہ سب کچھ وہ خود کر رہے ہیں۔

سمجھانے کے لیے عرض کر رہا ہوں اگر آپ کا بیٹا شب وروز آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کرتا ہر وقت نافرمانی میں وقت گزارتا ہے۔ باپ کی رضا کے خلاف عام لوگوں میں چلتا پھرتا ہے آیا یہ بیٹا باپ کا گستاخ اور بے ادب سمجھا جائے گا یا باادب اور مطیع وفرمانبردار۔ آیا یہ بیٹا باپ کے انعامات اور پیار وشفقت کا مستحق اور لائق ہوگا یا نہیں؟۔ یا آپ اپنی جائداد سے عاق کرنے کا سوچیں گے۔ اس صورت میں ہر باپ اپنے بیٹے کے متعلق یہی کہے گا کہ میرا بیٹا میرا بڑا گستاخ بے ادب اور نافرمان ہے۔ اس لئے کہ جب بیٹا باپ کے حکم کی تعمیل نہ کرے اس کے حکم کے مطابق نہ چلے تو باپ سمیت سب لوگ بیٹے کو باپ کا بے ادب گستاخ اور نافرمان کہیں گے تو نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام جو تمام انبیاء علیہ السلام کے سردار اور امام ہیں ان کے حکم کی تعمیل نہ کرنے والا شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے ادب گستاخ اور نافرمان کیوں نہ ٹھہرایا جائے گا۔ بے شک جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق عمل نہیں کرتا وہ رسول

اللہ کا بڑا گستاخ اور بے ادب ہے کیوں کہ آپ کے اوامر ونواہی اور اسوہ حسنہ کی اطاعت واتباع نہ کرنا اور اپنی خواہشات کے تابع ہو کر رہ جانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی اور گستاخی ہے بلکہ آپ کے اوامر ونواہی اور اسوہ حسنہ کی واضح توہین وتنقیص ہے۔ پوری قوم آپ کے اسوہ حسنہ اور اپنے اعمال واخلاق کا جائزہ لیتے ہوئے دیکھیں کہ ہم میں کون سے اعمال ہیں جو اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہیں اور کون سے ایسے اعمال ہیں جو آپ کے حکم اور اسوہ کے خلاف ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیل اعمال کے لیے جو ہمیں حکم دیئے ہیں وہ صرف آپ ہی کے نہیں ہیں بلکہ وہ حقیقتاً پروردگار عالم کے بھیجے ہوئے ہیں جن کو ہم ذرہ بھر بھی توجہ نہیں دے رہے۔ قرآن کریم سے چند احکام ونواہی پیش کر رہا ہوں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک پہنچایا ہے۔ اللہ تعالی احکم الحاکمین فرماتا ہے

۱۔ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا ہے تا کہ تم لوگ پرہیز گار بن جاؤ (سورۃ البقرۃ ۲:۲۱)

۲۔ اے لوگو! زمین میں حلال وپاکیزہ رزق ہے وہ کھاؤ شیطان کی پیروی نہ کرو اس لیے کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (سورۃ البقرۃ ۲:۱۶۸)

۳۔ اے ایمان والو اپنے آپ کو اسلام میں پورے داخل کرو شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ (سورۃ البقرۃ ۲:۲۰۸)

یعنی اپنے جسم پر اسلام کے تمام احکام نافذ کرو اگر تم نے اسلام پر عمل نہ کیا تو شیطان کے پیروکار ہو جاؤ گے۔

۴۔ اے ایمان والو اللہ تعالی سے ڈرو، سود کو چھوڑ دو، اللہ تعالی سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔ (سورۃ البقرۃ ۲:۲۷۸)

یعنی سود نہ کھا کر دوزخ کی آگ سے بچ جاؤ۔

۵۔ اے ایمان والو اللہ تعالی سے ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے، تمھیں اسلام کی حالت میں موت آئے۔ (یعنی تم کافر نہ ہو) (آل عمران: ۳:۱۰۲)

۶۔ اے ایمان والو تم کافروں کی مثل نہ ہو جاؤ یعنی کافروں کی مشابہت اختیار نہ کرو۔ (سورۃ

(النساء ۴:۱۵۶)

۷۔ اے ایمان والو آپس میں ناجائز طریقہ سے مال نہ کھاؤ (سورۃ النساء ۴:۲۹) ہاں تجارت سے نفع لے کر کھا سکتے ہو

۸۔ اے ایمان والو اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے اور جو شخص ظلم و زیادتی سے ایسا کرلے گا تو عنقریب ہم اسے آگ میں داخل کریں گے۔ (سورۃ النساء ۴: ۲۹۔۳۰)

۹۔ اے ایمان والو مسلمانوں کے سوا کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ (سورۃ النساء ۴:۱۴۴)

۱۰۔ اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ وہ آپس میں دوست ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہی میں سے ہے۔ (سورۃ المائدۃ ۵:۵۱) یعنی یہودیوں اور عیسائیوں میں سے ہوگا۔

۱۱۔ اے ایمان والو شراب، جوا، بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں یہ شیطان کی کارستانیاں ہیں سو ان سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (سورۃ المائدۃ ۵:۹۰)

۱۲۔ اے ایمان والو اللہ اور رسول کے حکم کی اطاعت کرو اور اس حاکم کی جو اللہ اور اس کے رسول کے مطابق حکم دے۔ (سورۃ النساء ۴:۵۹)

۱۳۔ اے ایمان والو جب آپس میں معاہدے کرو تو ان کو پورا کرو۔ (سورۃ المائدۃ ۵:۱)

۱۴۔ اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرو ان سے اعراض نہ کرو حالانکہ تم سن رہے ہو۔ (سورۃ الانفال ۸:۲۰)

۱۵۔ اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس سے ڈرو اور نماز قائم رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔ (سورۃ الروم ۳۱:۳۱)

اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا کہ جو شخص نماز کا تارک ہے وہ کافر ہے یا کافرانہ روش اختیار کرتا ہے۔

۱۶۔ اگر وہ عہد شکنی اور کفریات سے توبہ کرلیں اور نماز قائم رکھیں اور زکوۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ (توبہ ۹:۲۴)

۱۷۔ بے شک رسول اللہ کی ذات مقدسہ میں تمہارے لیے ایک کامل نمونہ ہے اور یہ کامل نمونہ اس شخص کے لیے ہے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہو۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳:۲۱)

۱۸۔ ”قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین“ (سورۃ آل عمران ۳:۳۲)

آپ فرما دو کہ اللہ اور رسول کے حکم کی اطاعت کرو پھر اگر وہ نہ کریں تو اللہ تعالیٰ کافروں کو دوست نہیں بناتا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے روگردانی کرنے والا آدمی کافر ہے۔

قرآن مجید میں ایمان والوں کو مخاطب کر کے ۷۵ احکام دیے گئے ہیں، اس انداز سے دیے گئے اوامر و نواہی کے علاوہ اور بھی احکام بکثرت موجود ہیں کیوں کہ اسلام کوئی مختصر امور و معاملات کا دین نہیں بلکہ یہ ایک مکمل عالمگیر دین ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے، یہ ناقص نہیں جیسے ناقصوں نے سمجھ رکھا ہے۔ شریعت اسلامیہ دراصل چھ امور کا نام ہے۔

عقائد۔ عبادات۔ معاملات۔ سیاست۔ حسن معاشرت اور تزکیہ نفس۔ ان اجزائے شریعت میں اوامر و نواہی فرائض و واجبات اور سنن و نوافل وغیرہ سب اصطلاحات موجود ہیں۔ بیسیوں نہیں بلکہ صدہا احکام اور مسائل ہیں ان سب کی اصل قرآن کریم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ان بنیادی احکام کا علم سیکھنا ہر مسلمان پر ضروری ہے اور حسب تکلیف اور حسب استعداد ان پر عمل کرنا بھی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اسلام درحقیقت ان دونوں (یعنی علم و عمل) کا نام ہے۔ بے علم گناہ کرے تو اسے دو گناہوں کا عذاب ہوگا۔ امام محبت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے فتاوی رضویہ کی جلد نمبر نو میں مسند الفردوس کے حوالے سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ ارشاد نقل کیا ”ذنب العالم ذنب واحد و ذنب الجاهل ذنبان“ عالم کا گناہ ایک گناہ ہے اور جاہل کا گناہ دو گنا۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس لیے؟ فرمایا عالم پر وبال اسی کا ہے کہ گناہ کیوں کیا اور جاہل پر ایک عذاب گناہ کا اور دوسرا علم نہ سیکھنے کا۔ علم کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ شریعت کا پہلا حکم علم دین سیکھنے کا ہے۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ کے باب فضل العلماء میں حضرت انس سے روایت ہے۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سب سے پہلے جو اللہ تعالی نے حکم فرمایا تھا وہ پڑھنے کے ہی متعلق تھا جیسے سورۃ علق کی پہلی آیت کا پہلا لفظ "اقرأ" ہے جس کے معنی ہیں اے میرے رسول پڑھیے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عمل اور تبلیغ سے پہلے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ علم حاصل کرنے کے بعد دوسروں تک علم پہچانا فرض ہے جیسے کہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنن دار قطنی میں منقول ہے "تعلموا العلم وعلموہ الناس" یعنی علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔ اس حدیث شریف میں نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حکم فرمائے ہیں ایک علم سیکھنا اور دوسرا حکم بے علموں کو علم سیکھانا ہے۔ یہ دونوں حکم اس پیارے نبی مکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے ہیں جو امام الانبیاء اور سید المرسلین ہیں اور جن کی اطاعت اور نصرت کا عہد سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۸۵ کے مطابق تمام نبیوں اور رسولوں سے لیا گیا۔ جن کے امتی بننے اور اطاعت کرنے کے خواہش مند بڑے بڑے برگزیدہ انبیاء کرام علیہم السلام تھے۔

آج ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا اس پوری امت میں ان دونوں احکام کی تعمیل کرنے والے کتنے لوگ ہیں۔ آخر الزمان پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم کو کس نے محبت واشتیاق اور ادب واحترام سے سر آنکھوں پر رکھا اور کس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اعراض کیا اور بے ادبی اور گستاخی کا مرتکب ہوا اور ہو رہا ہے۔ تمام امیروں، غریبوں، تاجروں، ملازموں، مزدوروں، سیاستدانوں، دانشوروں، تعلیم یافتوں اور جاہلوں کو بنظر غائر دیکھیے گا کہ کس نے علم دین کے سیکھنے اور سکھانے پر عمل کیا اور کس نے اس سے اعراض کیا، کس نے اسے ملاؤں کا علم کہہ کر گستاخی کی، ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں دیکھیے آپ کو پوری آبادی میں چند اشخاص ایسے دکھائی دیں گے جنہوں نے علم دین سیکھا اور سکھایا اور عمل کیا باقی لاکھوں اور کروڑں انسان خواہ مرد ہوں یا عورتیں سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام سے ساری عمر اعراض کیا اور نافرمانی کرتے رہے اب بھی بدستور کرتے ہیں اور موت تک کرتے رہیں گے الاماشاء اللہ آیا ہم نے کبھی سوچا ہے نبی آخر الزماں علیہ الصلوۃ والسلام کے احکام کی نافرمانی اور بغاوت

کر کے انتہائی بے ادبی اور گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

مزید سماعت فرمائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کی رضا چاہتے ہوئے اپنے مقدس اور نورانی چہرے پر داڑھی مبارک رکھی اور اپنی پوری امت کو داڑھی مبارک رکھنے کا حکم دیا جیسا کہ مسند امام احمد بن حنبل جلد دوم میں ہیں۔ "قصّوا الشوارب واعفوا اللحی" مونچھیں کتراؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ محققین کے نزدیک ایک مشت داڑاھی بڑھانی چاہئے۔ داڑاھی مبارک صرف نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام ہی کی سنت مبارکہ نہیں ہے بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات بھی داڑھی مبارک رکھتے آئے ہیں۔ انبیاء اکرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش تھی سب باریش تھے۔ داڑھی مبارک کا رکھنا اللہ تعالی کے نزدیک انتہائی مقبول اور پسندیدہ فعل ہے ورنہ انبیاء کرام اس کو نہ رکھتے۔ جیسے عورتوں کے لیے سر کے بال زینت اور زیبائش ہیں ایسے ہی مردوں کے لیے داڑھی مبارک انتہائی زینت اور خوبصورتی کا باعث ہے۔ خوبصورتی کا سبب کیوں نہ ہو یہ خدا تعالی کا نور ہے "اللحیۃ من نور اللہ" داڑھی اللہ تعالی کا نور ہے لیکن آج کا مسلمان اس نور الہی اور مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت اور مٹانے میں سرگرم اور متحرک رہتا ہے اور کسی عمل میں اس قدر متحرک دکھائی نہیں دیتا۔ ہمارے لوگ داڑھی مونڈانے میں مختلف عادات رکھتے ہیں بعض لوگ دو دن چھوڑ کر داڑھی مونڈاتے ہیں اور بعض لوگ ایک دن چھوڑ کر اور بعض لوگ روزانہ داڑھی مونڈانے کے عادی ہیں۔ جو مسلمان دو دن چھوڑ کر داڑھی مونڈاتا ہے اس نے ایک ماہ میں گیارہ مرتبہ داڑھی مونڈائی اور سال میں ایک سو بتیس مرتبہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹایا۔ اس شخص کی نابالغیت کی عمر نکال کر اگر اس کی عمر پچاس سال فرض کریں تو اس نے چھ ہزار چھ سو دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی توہین کی۔

اگر کسی شخص کی عادت ایک دن چھوڑ کر داڑھی مونڈانے کی ہو تو اس نے ایک ماہ میں پندرہ مرتبہ داڑھی مونڈائی۔ اس نے ایک سال میں ایک سو اسی بار سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کی اس کی نابالغیت کی عمر نکال کر اگر پچاس سال عمر تسلیم کریں تو اس نے اپنی عمر میں نوے سو یعنی نو ہزار دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کی گستاخی اور توہین کی۔ بعض مسلمان

روزانہ داڑھی مونڈانے کے عادی اور شوقین ہوتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو حکومت کی ملازمت کرتے ہیں خصوصا بنکوں و دفتروں اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں یہ دراصل اپنے آپ کو داڑھی مونڈا کر زیادہ حسین اور خوبصورت دیکھنا اور دکھانا چاہتے ہیں اور اپنے خالق اور مالک اور پیارے محبوب رب العالمین کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے نہ تو عذاب الٰہی سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی اپنے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرماتے ہیں۔ ان پر خواہشات نفسیانیہ اس قدر غالب ہو چکی ہیں کہ صبح بجائے تلاوت قرآن حکیم کے حکم خدا اور سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور تنقیص کے لیے بیٹھ جاتے ہیں یہ لوگ جو روزانہ داڑھی مونڈاتے ہیں یہ ہر ماہ میں تیس یا اکتیس بار حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عملی طور پر گستاخی اور بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہیں اور ایک سال میں تقریبا تین سو ساٹھ مرتبہ سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے آپ کو گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کرنے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ زمانہ عدم بلوغیت اگر یہ ساٹھ سال عمر پائیں تو انہوں نے اپنی عمر میں اٹھارہ ہزار دفعہ سنت رسول صلی اللہ علی وسلم کی گستاخی اور توہین کی حالانکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ گو اور مسلمان کہلاتے ہیں پھر طرہ یہ کہ مملکت اسلامیہ پاکستان کے رہائشی ہیں۔ ہمیں تو رسول اللہ کی اطاعت اور اتباع کا حکم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی عام اور اعلانیہ مخالفت صرف سنت ہی کی مخالفت نہیں ہے بلکہ آپ کی سخت گستاخی اور توہین بھی ہے۔ ہمیں تعظیم و توقیر اور ادب و احترام کا حکم ہے اور تعظیم و توقیر اور ادب و احترام آپ کے حکم کی تعمیل میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔

فیصل آباد کی یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے مجھے سنایا کہ جب ہمارے کمرہ میں میڈم تشریف فرما ہوتی ہیں تو ان کے لیکچر کا آغاز ہی داڑھی سے ہوتا ہے۔ طلباء سے خطاب کرتی ہوئی کہتی ہیں تمہارے کالج میں آنے کے لیے ضروری ہے کہ تم روزانہ داڑھی مونڈ کر آؤ اور پینٹ پہنو، حجامت اور صاف کپڑے پہن کر آیا کرو اگر کوئی داڑھی مونڈ کر نہ آیا تو اس کے نمبر کاٹ دیئے جائیں گے۔ یہ ہے میڈم صاحبہ کی وعظ و نصیحت جو کلمہ گو اور مسلمان بچوں کو روزانہ سنائی جاتی ہے، حالانکہ شلوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ لباس ہے اور یہ بھی کہ ہمارا پاکستانی لباس ہے

اور پینٹ پاکستانی لباس نہیں یہود و نصاری کا لباس ہے۔ داڑھی مونچھ مونڈانا یہ یہود و ہنود و مجوس اور نصاری کا طریقہ ہے جس کو ہم مسلمانوں نے سنت رسول پر ترجیح دی ہے اور رسول اللہ کے حکم کو پس پشت ڈالتے ہوئے نظر حقارت سے دیکھتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالی کے حکم اور سنت رسول سے تمسخر اور مذاق کرنا کفر ہے۔

یہ تو تھا داڑھی مبارک کی تعظیم و توقیر اور ادب و احترام کا مسئلہ جو مسلمانوں کے لیے بحیثیت امت مصطفیٰ ہونے کے واجب العمل تھا اس کے ساتھ ہی حکم نماز کی تعظیم و توقیر اور ادب و احترام دیکھیے گا کہ ہمارے پاکستانی مسلمان اس مقدس فریضہ کی کہاں تک ادائیگی اور تعظیم و توقیر کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ہمارے مسلمانوں نے نماز کی فرضیت کا کبھی ذکر تک نہیں سنا۔ ہاں یہ سب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ ہر عاقل بالغ مسلمان پر پنج گانہ نماز پڑھنا فرض ہے۔ اس کا تارک اللہ تعالی کا نافرمان اور گناہ گار ہوتا ہے، ان پڑھ اور کم علم لوگ بھی اتنا علم رکھتے ہیں اگر نہیں ہے تو اللہ تعالی کا ڈر اور خوف نہیں ہے۔ اگر ہے تو دنیا کی حرص اور طمع کا غلبہ ہے۔ ہم نے ہزار ہا پڑھے لکھے اور دانشور لوگوں کو دیکھا جو دفتروں و بینکوں و کارخانوں اور ملوں میں ملازمت اختیار کیے ہوئے ہیں اور صدہا سیاستدانوں اور وکیلوں کو دیکھا جو بڑے بڑے لیکچر دینا جانتے ہیں اور اپنے لیکچر سے قوم کو مسحور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن وہ نماز کے قریب تک جانے کو پسند نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ بے نماز اور تارک الصلوۃ رہتے ہیں۔ ہم نے کتنے باؤوں کو دیکھا کہ وہ جسمانی زینت اور ملبوساتی لحاظ سے انگریزوں کے مشابہ ہوتے ہیں ان کی ساری زندگی گزر جاتی ہے۔ لیکن مسجد میں آنے کی توفیق نہیں ہوتی بھلا یہ مجوسیانہ وکافرانہ اور یہودیانہ لباس اور معاشرہ مسجد میں کیوں کر جانے دے گا؟ (العیاذ باللہ)

اچھی طرح سروے کرالیں آج ہمارے مسلمانوں میں سے پانچ فیصد بھی نماز ادا نہیں کرتے اگر پانچ پڑھتے ہیں تو پچانوے مسلمان نماز نہیں پڑھ رہے۔ آیا یہ پچانوے مسلمان اللہ تعالی کے حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پانچ وقت روزانہ بے ادبی و گستاخی نافرمانی اور توہین و تنقیص نہیں کر رہے؟ ان کی یہ گستاخی اور توہین صرف پانچ وقت تک ہی محدود نہیں رہتی۔ آپ اگر مہینہ تیس دن کا تصور کریں تو اس شخص نے ایک ماہ میں ایک سو پچاس نمازیں

چھوڑیں اگر یہ شخص عمر بھر تارک الصلوۃ رہا اور اس کی عمر ساٹھ برس کی تصور کی جائے اور ساٹھ برس سے دس سال بچپن کے تفریق کر لیے جائیں تو اس بدنصیب شخص نے اپنی پچاس سال کی عمر میں نوے ہزار نمازوں کو چھوڑ کر اللہ تعالی اور اس کے حبیب سید الاولین والآخرین کے حکم کی بدترین گستاخی اور توہین کر کے بموجب قرآن وحدیث اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنایا۔

(نعوذ باللہ منہا)

یاد رہے نماز ادا کرنا اللہ تعالی کا حکم ہے لیکن اس نے یہ حکم اپنے فائدے کے لیے نہیں دیا بلکہ انسان کی اخروی بہتری اور کامیابی کے لیے دیا ہے، اگر تمام انسان نماز ادا نہ کریں تو اس عدم ادائیگی کی وجہ سے اللہ تعالی کی ربوبیت میں کوئی کمی نہیں آئے گی اس طرح اگر تمام انسان نمازی بن جائیں تہجد گزار ہو جائیں تو بھی اللہ تعالی کی ربوبیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔

برادران اسلام! اگر اللہ تعالی نے دولت ایمان سے سرفراز کیا ہے تو اس کے احکام کی نافرمانی اور گستاخی کر کے دوزخ میں جانے کی جسارت نہ کریں۔ اعمال صالحہ کے بغیر ایمان ناقص ہے یہ ناقص ایمان دخول فی النار کو نہیں روکتا، ایمان کامل دخول فی النار سے روکتا ہے۔ ایمان کامل کے حصول کی شرط اطاعت اور اتباع مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

محققین علماء کرام نے لکھا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانا اس وقت تک متحقق اور ثابت نہیں ہو سکتا جب تک ان کی کامل اطاعت اور اتباع نہ کی جائے۔ صحیح بخاری کتاب الاعتصام با لکتاب والسنۃ (حدیث نمبر ۷۲۸۰) میں ہے کہ نبی اکرم رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا '' **کل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابی قیل من ابی قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابی** '' یعنی میرا ہر امتی جنت میں داخل ہوگا مگر جس نے مجھے قبول نہ کیا فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی گویا اس نے مجھے نہ مانا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

اس سے بالکل ظاہر ہے کہ آپ کی اطاعت اور اتباع نہ کرنے والا انسان گویا ایسا ہی ہے جیسا کہ نبی کا منکر اور جس شخص نے ساری عمر نماز نہ پڑھی آیا وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی کہلانے کا مستحق ہے؟ یا اس کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کامل نبی نہیں؟ یا ایسے شخص

نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واجب الاطاعت نہیں سمجھا، کیا اس نے قرآن وحدیث میں جو نماز کی ادائیگی کے متعلق بار بار حکم نازل ہوا ہے اور صدہا دفعہ اس کے پڑھنے کا جو ذکر آیا ہے اس پر یقین کر لیا ہے؟ کوئی مسلمان اس کا انکار کرنے کے لیے تیار نہیں، انکار کرنا بھی نہیں چاہئے کیونکہ انکار کا دوسرا نام کفر ہے جب ہم انکار نہیں کرتے تو پھر ہم مسلمان ہیں اور مسلمان پر نماز پڑھنا فرض عین ہے، کافر پر نماز پڑھنا فرض نہیں اور جو مسلمان ہو کر نماز نہیں پڑھتا اسے سوچنا چاہئے کہ میں کون ہوں؟ ارشاد باری تعالی ہے **اقیمو الصلوۃ ولا تکونوا من المشرکین** (سورۃ الروم ۳۰:۳۱) نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ اس سے ظاہر ہے کہ نماز نہ پڑھنا مشرکوں کا کام ہے۔ مزید قرآن مجید میں ہے '' **ماسلککم فی سقر ٥ قالوا لم نک من المصلین** '' (سورۃ المدثر ۷۴:۴۲۔۴۳) یعنی جنتی لوگ دوزخیوں سے پوچھیں گے کہ کس چیز نے تمہیں دوزخ میں گرا دیا وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اس سے واضح ہوا کہ نماز نہ پڑھنا دخول جہنم کا سبب ہے۔

اسی طرح صحیح مسلم کتاب الایمان (حدیث نمبر ۲۴۷) میں روایت ہے '' **عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللی علیہ وسلم بین الرجل و بین الشرک والکفر ترک الصلوۃ** ''

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مرد مومن اور کافر و مشرک کے درمیان نماز چھوڑنے کا ہی فرق ہے۔

اگر آپ مرد مومن بننا چاہتے ہیں تو نماز نہ چھوڑا کریں۔ مزید تارک الصلوۃ کے لیے وعید ملاحظہ کیجیے۔ علامہ منذری نے الترغیب والترہیب کی کتاب الصلوۃ میں یہ حدیث نقل کی کہ حضرت ام ایمن فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا '' **من ترک الصلوۃ متعمدا فقد برئت منہ ذمۃ اللہ و رسولہ** '' جس کسی نے ارادۃً نماز ترک کی پس اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ذمہ سے بری ہو گئے۔ اس طرح مجالس الابرار اور احسن المواعظ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا '' **من ترک الصلوۃ متعمدا حتی مضی وقتھا عذب فی النار حقبا** '' جس شخص نے جان بوجھ کر نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ وقت گزر

گیا وہ دوزخ میں کئی حقبے عذاب دیا جائے گا۔ایک حقبہ دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس کا ہوتا ہے اور ایسے بہت سے حقبے جن کی تعداد اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس شخص کو عذاب دیا جائے گا جس کی ایک نماز قضا ہوگئی اور وقت گزر گیا۔آپ خود سوچیے جو لوگ ساری عمر نماز نہیں پڑھتے ان بد نصیبوں کا کیا حال ہوگا۔

آیت کے آخر میں صبح وشام تسبیح تہلیل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔صبح وشام سے مراد ایک تو اوقات ہیں اور دوسرے قول کے مطابق صبح وشام کے الفاظ کثرت کے لیے بھی استعمال کیے جاتے ہیں تسبیح وتہلیل سے بھی مراد سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ ہیں لیکن اس سے مراد مجموعی طور پر ذکر بھی ہے یعنی عظمت اور توقیر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ہر وقت ذکر میں مشغول رہیں۔ذکر سے کیا مراد ہے اس ضمن میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا ایک مکتوب جو دفتر دوم کا مکتوب نمبر ۲۵ ہے میں فرماتے ہیں۔

اے فرزند، فرصت، صحت اور فراغت کو غنیمت جاننا چاہیے اور تمام اوقات ذکر الٰہی میں مشغول رہنا چاہیے، جو عمل شریعت کے موافق ہو کیا جائے ذکر ہی میں داخل ہے اگر چہ خرید وفروخت ہو بس تمام حرکات وسکون میں احکام شرعیہ کی رعایت کرنی چاہیے تاکہ سب کچھ ذکر ہو جائے کیونکہ ذکر سے مراد یہ ہے کہ غفلت دور ہو جائے۔جب تمام افعال میں اوامر ونواہی کو مدنظر رکھا جائے تو اس صورت میں بھی امر ونواہی کی غفلت دور ہو جاتی ہے اور دوام ذکر الٰہی حاصل ہو جاتا ہے یہ دوام ذکر حضرات خواجگان کی یادداشت سے جدا ہے وہ یادداشت صرف باطن تک ہی ہے اور اس دوام ذکر کا اثر ظاہر میں بھی ہے اگر چہ دشوار ہے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں مبعوث فرما کر کائنات پر بہت بڑا احسان فرمایا اور اس دنیا کی تمام نعمتیں ہر کسی کو خواہ وہ مسلم ہے یا غیر مسلم بغیر محنت کے دیں لیکن اخروی نعمتیں کو عمل سے مشروط فرما دیا۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ عمل قابل قبول اور مستحق اجر ہے جو قرآن حکیم کے بتائے ہوئے اصول اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کیا جائے،لہذا اخروی نعمتوں کو بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیر وتوقیر کے ساتھ منسلک کر دیا گیا۔تاریخ اس بات کو واضح کرتی ہے کہ جس کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیر وتوقیر کی

اسے آخرت کی بے حساب نعمتیں ملیں۔اس ضمن میں بڑی مثال حضرت ابوبکر صدیق کی ہے کہ ہجرت مدینہ کے وقت آپ کا پورا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیر وتوقیر میں شامل تھا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے،حضرت اسماء کھانا تیار کر کے رات کے وقت آپ کو پہنچاتیں اور تمام دن کی خبریں بھی بتاتیں،دن کے وقت آپ کا غلام اسی جگہ پر بکریاں چراتا تاکہ حضرت اسماء کے قدموں کے نشان مٹ جائیں۔اس توقیر وتعزیر کے صلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بابت اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا۔لوگو! تم میں سے جس کسی نے مجھ پر کوئی احسان کیا میں نے اس کا بدلہ اس دنیا میں ادا کر دیا لیکن ابوبکر صدیق کے مجھ پر وہ احسانات ہیں جن کا بدلہ میں اس دنیا میں نہیں بلکہ قیامت کے دن ادا کروں گا۔اسی تعزیر وتوقیر کے باعث انبیاء کرام علیہم السلام کے مقام کے بعد آپ ہی کا مقام ہے۔

ہم لوگ اس دنیا کی زندگی میں جسمانی صحت کی حفاظت اور صحت یابی کے لیے ڈاکٹر کی ہدایت پر کھانے پینے کی بہت سی چیزیں چھوڑ دیتے ہیں لیکن اخروی دائمی زندگی میں جہنم کے عذاب سے بچنے کے لیے نفسانی خواہشات کو ترک نہیں کرتے۔

اس خطبہ کو تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ شاید کوئی شخص اس کا مطالعہ کر کے سچی توبہ کی طرف رجوع کرے،کامل انسان بننے کی طرف متوجہ ہو جائے،خالق کائنات جو احکم الحاکمین ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین ہیں کے اوامر ونواہی کی بغاوت اور توہین وتنقیص چھوڑ کر مکمل مؤدب اور مؤقر ہو کر اپنی آخرت بہتر کر لے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر لے۔آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ والسلام علی من اتبع الھدی والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلی الہ الصلوٰت والتسلیمات۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین